(ماخوذ)

ایک حدیث پر تنقید اور اس کی تحقیق

احادیثِ رسول ﷺ متعدد ادوار میں جرح و قدح کا موضوع رہی ہیں۔ اسلام کی چند صدیوں کا استثناء کردیا جائے تو ہر صدی ایسے برگشتہ راہِ حق لوگوں کو شامل ہے جو "درایت و تفقہ" کے تیشے احادیث کی جڑوں پر چلاتے رہے ہیں۔ اگرچہ فطری طور پر مسلمانوں کو یہ مسلم رہا ہے کہ سنتِ رسول ﷺ اسلامی نظام کی من جملہ اساس ہے، لیکن عملاً یہ مسلمہ سخت تغافل و تسامح سے دوچار رہا ہے، بلکہ بسا اوقات اسے بے ہنگم جارحیت کا نشانہ بنایا گیا۔

یورپ کی نشاۃ ثانیہ سے پہلے یہ حالت تھی کہ مسلمانوں کی بڑی جمعیت احادیث کی من مانی توجیہات کرتی، اور ہر شخص اپنے مسلک کے مطابق انہیں ڈھالنے کی کوشش کرتا۔ اقوالِ ائمہ اساس کی حیثیت اختیار کر گئے اور اس طریقہ میں اس قدر توسع آیا کہ صحیح و ضعیف احادیث میں امتیاز باقی نہ رہا۔ جو حدیث ایک طبقہ کے نزدیک مردود تھی، وہی دوسرے طبقہ کے نزدیک عین مقبول قرار پائی ـــ چنانچہ تقلیدی مذاہب کی کتابیں اس پر شاہدِ عدل ہیں!

یہ سب کچھ صرف اس لئے ہوا کہ اپنے اپنے امام کے قول کو صحیح قرار دیا جائے۔ احادیث کے مفہوم کی تعیین میں بھی یہی رویہ زیر عمل رہا، نتیجۃً فرامینِ رسول ﷺ تاویلات کے انبار میں گڈ مڈ ہوکر رہ گئے ـــ بس اس ضمن میں صرف محدّثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کا ایک گروہ تھا جو اس سے مبرا اور حق کا جویا و متلاشی تھا۔

ایک طرف یہ صورتِ حال تھی' اور دوسری طرف یورپ کی نشاۃ جہاں اپنے جلو میں ہزاروں نحوستیں لائی' وہاں آزادیٔ فکر ایسی بیماری کو بھی اس نے جنم دیا' جس کے اثرات تمام اقوام پر پڑے۔یورپ نے تمام مذاہب ' ان کی تعلیمات اور ان کی اقدار کی تکا بوٹی کرنے کی ٹھان لی۔ اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے مستشرقین نے اپنے بال و پر نکالے' انہوں نے دینِ اسلام پر بھرپور حملے شروع کردیئے اور اسلامی اصول و فروع پر بے تحاشا یورش ہونے لگی۔ یہ لوگ بالخصوص قرآن و حدیث کو مجروح کرنے کے درپے ہوئے۔ چونکہ اسلام کے اکثر احکام حدیثِ رسول ﷺ پر مبنی ہیں' اس لئے احادیث کے ذخیرہ کو مشکوک کرنا ان کے لئے بڑا ضروری کام قرار پایا۔ علمائے اسلام نے روایات کی چھان پھٹک سے متعلق جو کاوشیں کی تھیں' انہوں نے انہیں حقیر و بے وزن بنانے کی کوشش کی' چنانچہ یہ کہا کہ علماء نے روایت کی تنقیح سندوں کے اعتبار سے کی ہے' نہ کہ متنوں کے اعتبار سے اور یہ ممکن ہے کہ علمائے اسلام کے نزدیک کوئی سند صحیح ہو' لیکن اس کا متن ضعیف' غیر صحیح اور موضوع ہو۔ غور کیجئے یہ کس قدر پُر فریب مفروضہ ہے جس سے روایات و احادیث کا پورا سرمایہ اور گنجینہ مخدوش ہوکر رہ جاتا ہے۔ ادھر مستشرقین نے یہ کام کیا' ادھر متاثرانہ ذھن رکھنے والے علماء نے ان کی ہمنوائی کی۔ مثال کے طور پر مصر کے ایک نامور عالم احمد امین کا نام لیا جا سکتا ہے' جنہوں نے مستشرقین کی پیروی میں روایاتِ صحیحہ کی تغلیط میں خاصی مستعدی دکھائی! انہوں نے دیگر بہت سی احادیث کے علاوہ ایک حدیث' جو "مأۃ سنۃ" کے نام سے موسوم ہے' کو رد کردیا۔ چونکہ مغربیت سے مرعوب ذھن آج بھی اس حدیث کے بارے تردد کا شکار ہیں' اس لئے ذیل میں اس کی تحقیق پیش کی جاتی ہے۔ واضح رہے' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے روایت کیا ہے' امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اسے اپنی صحیح بخاری کے مختلف مقامات پر لائے ہیں اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محدّثینِ کرام رحمہم اللہ نے اس کی تخریج فرمائی ہے۔ حدیث یوں ہے:

"انّ عبداللہ بن عمر قال صلّی بنا النّبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم العشاء فی اٰخر حیاتہٖ فلمّا سلّم قال ارأیتکم لیلتکم ھذہٖ فانّ رأس مائۃ سنۃ منھا لا یبقٰی ممّن ھو علٰی ظھر الارض احد۔"

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخر حیات میں ہمیں عشاء کی نماز پڑھائی۔ سلام پھیرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' کیسی رہی تمہاری یہ رات؟ اس رات سے سو سال مکمل ہونے تک اُن سب میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا' جو آج روئے زمین پر موجود ہیں!"

اسی حدیث کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بھی روایت فرمایا ہے' جس میں یہ صراحت ہے کہ یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال سے دو ماہ قبل کا ہے۔

(بخاری)

حدیثِ مذکور معجزات میں سے ہے' جیسا کہ آگے چل کر ثابت ہوگا اور اپنی اسی حیثیت کی وجہ سے وہ کافی غور و خوض کی متقاضی ہے۔ اس کے مصداق کی تعیین بادی النظر میں کچھ مشکل ہوسکتی ہے۔ چنانچہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اس سلسلہ میں الجھن کا شکار رہے۔ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ اس رات سے سو سال مکمل ہونے تک قیامت آجائے گی۔ (طبرانی) ---- لیکن اسلام کے کسی دور میں اس حدیث کو نہ ضعیف قرار دیا گیا اور نہ موضوع! البتہ احمد امین نے اسے موضوع قرار دیا کہ روایتِ مذکورہ کی رو سے سو سال مکمل ہونے پر قیامت آنی چاہیئے تھی' لیکن گردشِ لیل و نہار کے درمیان زمانہ آگے بڑھتا رہا' یہاں تک کہ متعدد صدیاں بیت گئیں اور قیامت واقع نہ ہوئی۔ تو ہماری یہ حس' یہ مشاہدہ اور تاریخی واقعات اسے کلامِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ماننے سے انکاری ہیں' لہٰذا یہ روایت موضوع ہے!

حالانکہ اس روایت کا وہ معنیٰ ہرگز صحیح نہیں' جسے احمد امین نے لیا ہے اور جس کے پیشِ نظر انہیں حدیث کے رد کا ارتکاب کرنا پڑا۔ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے یہ مفہوم لیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی تردید فرمائی (طبرانی) علاوہ ازیں کچھ اور صحابہ رضی اللہ عنہم اس کے مفہوم کی تعیین میں اضطراب کا شکار ہوئے تو راویٔ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اس کا صحیح معنیٰ بتلا دیا (بخاری) چنانچہ ذیل کی حدیث اس کا صحیح معنیٰ واضح و متعین کرتی ہے:

"انّ عبد اللہ بن عمر قال صلّی بنا النّبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم صلوٰۃ العشاء فی اٰخر حیاتہٖ، فلمّا سلّم قام النّبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم

فقال ارأيتكم ليلتكم هذه فان رأس مائة سنة لايبقى ممن هو اليوم على ظهر الارض احد فوهل الناس فى مقالة النبى صلى الله عليه وسلم الى ما يتحدثون فى هذه الاحاديث عن مائة سنة وانما قال النبى صلى الله عليه وسلم لايبقى ممن هو اليوم على ظهر الارض يريد بذالك انها تخرم ذالك القرن"۔ (بخاری)

"حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے آخر حیات میں ہمیں عشاء کی نماز پڑھائی۔ بعد سلام کے کھڑے ہوکر فرمایا: تمہاری اس رات سے سو سال کے تمام ہونے تک وہ سب لوگ باقی نہیں رہیں گے جو آج زمین پر موجود ہیں۔ لوگ اس فرمانِ نبوی ﷺ پر گھبرائے اور اس سلسلہ میں مختلف باتیں ہونے لگیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا' نبی ﷺ نے تو یہ فرمایا تھا کہ آج جو انسان زمین پر موجود ہیں' اس مدت میں لقمہ اجل بن جائیں گے اور یہ نسل اس مدت میں ختم ہوجائے گی"۔

یعنی اس حدیث میں یہ پیش گوئی نہیں ہوئی ہے کہ اس مدت کے گذرنے پر قیامت قائم ہوجائے گی' بلکہ یہ بتایا گیا ہے کہ موجودہ نسل کا خاتمہ اس رات سے سو سال پورے ہونے تک ہوجائے گا۔ ہر شخص جان سکتا ہے کہ پہلی روایت میں قدرے اجمال ہے' جب کہ دوسری روایت اس کی تفصیل و توضیح کرتی ہے۔ اس طرح بات "آفتاب آمد دلیلِ آفتاب" کی ہوجاتی ہے۔

اب جب کہ فرمانِ نبوی ﷺ کا معنی یہ ہوا کہ اس متعین رات سے سو سال تک موجودہ نسل ختم ہوجائے گی' تو دیکھنا چاہیئے کہ کیا ایسا ہوا؟ علماء اسلام خصوصاً محدّثینِ کرام رحمہم اللہ نے نبی ﷺ کے تمام اقوال کا پاکیزہ مرقع تو تیار کیا ہی تھا' آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی حیات کی تمام حالتوں کو بھی انہوں نے قیدِ ضبط میں رکھا اور یہ معلوم کیا کہ کس صحابیؓ کا کس سن میں انتقال ہوا؟ سب سے آخر میں جس صحابی کی وفات ہوئی وہ ابو الطفیل عامر بن واثلہ لیثیؓ ہیں' جن کی ولادت غزوۂ احد کے سال میں ہوئی اور وہ آنحضرت ﷺ سے کوئی بیس حدیثیں روایت کرتے ہیں۔ ان کے سنِ وفات کی تعیین میں کئی اقوال ہیں۔ جریر بن حازم فرماتے ہیں کہ میں ۱۱۰ھ میں مکہ مکرمہ میں تھا' میں نے

ایک جنازہ دیکھا تو پوچھا کس کا جنازہ ہے؟ جواب دیا گیا' ابو الطفیل رضی اللہ عنہ کا۔

(تہذیب التہذیب ج ۴)

اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو الطفیل رضی اللہ عنہ کا انتقال ۱۱۰ھ میں ہوا۔۔۔ جب کہ حدیث مذکور کا تعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دو ماہ قبل سے ہے۔ یوں اس سال سے سو سال پورے ہونے تک قرنِ اول کا اختتام ہو جاتا ہے' جس کی آخری کڑی حضرت ابو الطفیل رضی اللہ عنہ ہیں' پس حدیثِ مذکورہ میں بیان شدہ پیش گوئی ایک معجزہ ثابت ہوتی ہے' نہ کہ یہ موضوع ہے' جیسا کہ احمد امین کا خیال ہے۔۔۔۔ سچ ہے' تھوڑا سا غور بات کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیتا ہے!

(مولانا ابو الکلام احمد مدیر پندرہ روزہ ترجمان دہلی)

"تین کتابیں مُفت"

مولانا عبدالرشید رحمانی رحمہ اللہ مرحوم کے تین رسائل پنجابی اشعار میں گلدستہ توحید، اقرارِ توحید، سچی توبہ۔

پانچ روپے کے ڈاک ٹکٹ روانہ کر کے مُفت حاصل کریں۔

پتہ: مرزا آفتاب اقبال (ابوطلحہ) ڈاک خانہ و مقام خورد، توحید منزل، محلہ اہل حدیث، براستہ چوٹالہ، ضلع جہلم۔